## ان حالات میں امت مسلمہ کا موقف کیا ہونا چاہئے؟

رب ذوالجلال علیم وحکیم ذات ہے۔ اپنی حکمت بے کراں سے اہل اسلام کو بھی گوناگوں آزمائشوں سے گزارتا رہتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿**لتبلون فی اموالکم و انفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا و ان تصبروا وتتقوا فان ذٰلک من عزم الامور** ۞﴾ "ضرور بضرور تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں آزمائشیں آئیں گی اور ضرور بضرور تمہیں اپنے سے پہلے کتاب دیئے گئے لوگوں اور دیگر مشرکین سے نہایت تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی۔ اور اگر تم لوگ ان آزمائشوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دو اور تقویٰ کی روش پر گامزن رہو تو یہ یقیناً نہایت عزم و ہمت کا کام ہے"۔

اہل کتاب اور مشرکین سے جسمانی و مالی نقصانات کے علاوہ زبان وقلم کے ذریعے پہنچنے والی اذیتوں سے امت اسلامیہ دوچار ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور ہر دور میں اہل حق اسلام کے دفاع میں بھی کامیاب وکامران ہوتے رہے ہیں۔

جب اسی قسم کی دلخراش باتیں کسی کلمہ گو سے سننا پڑیں تو اس کی ٹھیس زیادہ دلسوز اور اس کا زخم نہایت گہرا ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد ایسے موقعوں پر دشمنان دین بھی بغلیں بجاتے ہوئے ملت اسلامیہ کو طعنہ دینے لگ جاتے ہیں' جو نہایت لرزہ خیز اور ناقابل برداشت سانحہ ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں ایک مومن کی حیثیت سے جذبات کی رو میں بہ جانے کے بجائے ہر حال میں اپنے معبود برحق کا حکم بجالانا چاہئے' کہ یہی اصول بندگی وسلیقہ زندگی ہے۔ آیت بالا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی اذیت ناک باتوں کی آزمائش میں دو چیزوں کا حکم دیا ہے: (۱) صبر وثبات (۲) تقویٰ وپرہیزگاری۔

**صبر** کا تقاضا ہے کہ ہم اسلام کے ان مجرموں کے خلاف جلد بازی کرتے ہوئے ملکی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کریں۔ مسلمانان پاکستان کے لیے مقام شکر ہے کہ دشمنان ملک وملت کی ہزار ریشہ دوانیوں کے باوجود توہین رسالت' ختم نبوت اور توہین صحابہؓ جیسے قوانین ملک میں رائج ہیں۔ لہٰذا قانونی پیچیدگیوں سے گزرنے کے بعد ہی سہی' اس قسم کا مجرم پاکستان کی کسی بھی عدالت سے بری نہیں ہوسکے گا۔ اور کیفر کردار تک پہنچ کر رہے گا۔

**تقویٰ** کا تقاضا یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کی تعلیمات پر سختی سے کاربند ہوں اور اس کے سیکھنے سکھانے' سمجھنے سمجھانے اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو سنوارنے میں منہمک رہیں اور ان لوگوں کی مجلسوں کے قریب بھی نہ پھٹکیں جو اس قسم کی اسلام مخالف باتوں کا پرچار کرتے ہیں۔

.....☆☆☆☆.....

# درس قرآن حکیم

تحریر: ابوعبداللہ عبدالرحیم

**﴿يكاد البرق يخطف أبصارهم كلما أضاء لهم مشوا فيه و إذا أظلم عليهم قاموا و لو شاء الله لذهب بسمعهم و أبصارهم إن الله على كل شئ قدير﴾** (البقرة/۲۰)

مفردات کی تشریح:

**يكاد:** قریب ہے مگر ایسا ہوا نہیں ہے۔ یہ فعل جب مثبت کا دیتا ہے تو معنی منفی کا ہے جب یہ منفی کا ہوتا ہے تو معنی مثبت کا آتا ہے۔ مثلاً "كدت أن أضرب" قریب تھا کہ میں ماروں۔ مگر ابھی تک ماروا قع نہیں ہوا ہے۔ معری شاعر کہتا ہے:

إذا نفيت و الله أعلم أثبت
و إن أثبتت قامت مقام جحود

(تحفة الاحوذی شرح ترمذی باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بایتهن یبدأ)

**البرق:** بجلی جو فرشتہ کا آگ یا لوہے کا چابک بادل کو مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عموماً یہ ابر آلود موسم میں آسمان پر کوندتی ہے۔

**يخطف: الأخذ بسرعة** نہایت ہی تیزی سے اچک لینا۔ اس میں بکسر الطاء بھی ایک قرأت ہے۔

**أضاء:** یہ فعل لازم و متعدی دونوں ہو سکتے ہیں۔ متعدی کرنے سے بمعنی **نور** (روشن کیا) اور لازم بنانے سے **لمع** (چمک اٹھا) کے معنی میں ہوگا۔

**أظلم:** یہ صیغہ بھی یہاں لازم و متعدی دونوں ہو سکتے ہیں۔

**و لو شاء الله:** "شاء کا مفعول بہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگا: "**لو شاء أن يذهب بسمعهم بقصف الرعد و أبصارهم بوميض البرق لذهب بهما**"

**بسمعهم:** لفظ "سمع" مصدر اصل میں ہے اس سے مراد کان یا اس کا سوراخ ہے۔
مصادر تثنیہ جمع نہیں ہوتے، بلکہ یہی لفظ جمع کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔

**أبصارهم:** بصر کی جمع ہے یعنی آنکھیں۔
برصغیر کے بعض مترجمین نے **سمع** اور **ابصار** کا ترجمہ قوت شنوائی اور قوت بینائی سے کیا ہے۔

**قدير:** " **الفعال لما يشاء على ما يشاء**" قدیر وہ ذات ہے کہ جو چاہے اور جس طرح کرنا چاہے کر سکے۔ (تفسیر

بیضاوی أنوار التنزیل وأسرار التأویل)

مندرجہ بالا آیتوں میں موجود دونوں مثالیں تمثیل مرکب ہیں۔ یعنی چند حوادث کا مجموعہ باہمی ارتباط واتصال سے ایک وحدانی شکل اختیار کر گیا ہے کہ اس کی انتزاعی کیفیت کو کسی اس جیسے مجموعہ کی انتزاعی کیفیت سے تشبیہ دینا ممکن ہو۔(تفسیر بیضاوی)

**آیت کا ترجمہ:** ''قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دے، جب بھی ان کے لیے روشنی پیدا ہوتی ہے وہ اس میں چلنے لگ جاتے ہیں اور جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو ختم کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔(بقرہ۔۲۰) یہ آیت اس سے قبل والی آیت ﴿**أو کصیب من السماء**﴾ کی تکمیل ہے۔ علامہ ابن جریرؒ الطبری اور شوکانی وغیرہ کے نزدیک مذکورہ دونوں مثالیں ایک ہی قسم کے منافقین کے بارے میں ہیں کہ ان کے مختلف حالات و اوصاف ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ ان کے مختلف گھناونی پہلوؤں کو طشت از بام کرے جبکہ ابن کثیرؒ کے نزدیک مختلف قسم کے منافقین کے احوال بتانا مقصود ہے۔ (تفسیر طبری۔ تفسیر ابن کثیر)

لیکن کیا یہ امور وحوادث عملاً واقع ہو چکے ہیں یعنی آیات میں موجود تمام جزئیات کیا کسی منافق کے ساتھ پیش آ چکے ہیں یا یہ صرف منافقین کے احوال واوصاف سمجھانے کے لیے ایک تمثیل ہے؟ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی غرض سے بکثرت مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

اول الذکر پہلو کے متعلق عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار بیزاری کے لیے دو منافق مدینہ منورہ سے نکل کر چلے گئے تو ان کے ساتھ یہی واقعات پیش آئے اور یہ دونوں نہایت ہی نادم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر اچھے مسلمان بن گئے اور اس سے مقصود مدینہ میں موجود دیگر منافقین کے لیے بھی سامان عبرت کے ہے(تفسیر طبری)

اگر ابن جریر طبری کی یہ روایت درست ہو تو اول الذکر معنی کا امکان مضبوط ہو جاتا ہے۔ **واللہ اعلم**

﴿**یکاد البرق یخطف ابصارھم**﴾: یعنی ان کی آنکھیں کمزور ہونے اور بجلی کی چکا چوند تیز ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں سلب ہونے کے قریب ہیں۔ اس سے مراد حق وصداقت کی ضیاء پاشی کی تیزی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک سننے کے ڈر سے انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے کہ مبادا انکے بارے میں کہیں کوئی ناپسندیدہ حکم تو نازل نہ ہو جائے لیکن اس کے برعکس جب مال وغنیمت و دیگر مفادات کی فراوانی ہوتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا قرار دیتے اور مسلمان ظاہر کرتے لیکن اگر ان کے اموال واملاک اور بال بچے میں نقصان ہو جاتا یا جہاد وغیرہ کے احکامات سے پالا پڑتا تو وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر مرتد ہو جاتے اور

ان کی رہی سہی وفاداریاں بھی تبدیل ہوجاتیں۔(رواہ ابن جریر)

یہ منافقین ظاہراً کتاب اللہ کی روشنی میں کلام کرتے اور ریاء ونمود کے لیے کچھ اچھے اعمال بھی کرجاتے۔اسلام کے پرچم تلے کچھ مراعات وعزت ملتی تو مطمئن ہوتے لیکن خاکم بدہن اہل اسلام کو کچھ زک پہنچتا یا جانی و مالی نقصان ہوتا تو وہ اسلام اور مسلمانوں سے بیزار ہوتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿**و من الناس من يعبد الله على حرف فان أصابه خير اطمأن به و ان أصابته فتنة انقلب على وجهه خسرالدنيا و الاخرة**﴾ لوگوں میں سے بعض یک طرفہ رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر کوئی خیر، مال ومنال ملے تو مطمئن ہوتے ہیں اگر کسی آزمائش سے دوچار ہوجائیں تو فوراً منہ کے بل پلٹ جاتے ہیں اس نے دنیا وآخرت دونوں ضائع کردیے۔(الحج۔11)

اب واضح ہے کہ ظلمات (تاریکی) ضلالت ہے۔بجلی وروشنی ایمان سے تعبیر ہے یعنی ان منافقین کی آخرت کے لیے یہ تھوڑا سا دنیاوی منافع بھی نقصان دہ ہے۔(تفسیر طبری)

﴿**كلما أضاء لهم مشوا فيه و اذا أظلم عليهم قاموا**﴾ یعنی یہ لوگ حق کو اچھی طرح پہچان لیتے ہیں۔اس کا اقرار بھی کرتے ہیں اور اسی عمل کے دوران وقتی استقامت بھی ہے۔اسی ایمانی ضیاء پاشی کے اثر سے وہ دشمنوں پر فتح ونصرت حاصل کرتے ہیں۔مال غنیمت ہاتھ آتا ہے۔فتوحات وکشورکشائی ہوتی ہے۔اہل و عیال، املاک محفوظ کرتے ہیں۔لیکن یہ سب راحتیں ان کے لیے جزوقتی ہیں جب یہ اشیاء مفقود ہوجائیں کوئی پریشانی گھیر لے، اپنی پسند کی چیزیں نہ ملیں، شدائد وتکالیف کا سامنا کرنا پڑے، جنگوں میں ہزیمت سے دوچار ہوجائیں تو یہ زبانی جمع خرچ اور نام نہاد مسلمانی کو تج کر اصلی روش پر اتر آتے ہیں۔کفر وارتداد پر ڈٹ جاتے ہیں۔جس طرح ہولناک برسات والی رات کا مسافر حیران رہ گیا ہو۔اس منافق کے زعم میں اس کفر والحاد پر ڈٹ جانا اپنی سلامتی کا سامنا ہے لیکن فی الواقع وہ اپنی تباہی وبربادی کا سامان فراہم کررہا ہے۔

تقریباً یہی صورت حال ان منافقین کے ساتھ روز آخرت میں بھی پیش آئے گی جب لوگوں کو اپنے ایمانی قوت و ضعف کے حساب سے نور عطا کیا جائے گا۔بعض لوگوں کا نور کئی فرسنگ کی مسافت تک روشن کرے گا۔بعض کا اس سے زائد بعض کا اس سے کم مسافت تک۔بعض کی روشنی مدھم پڑے گی، بجھے گی پھر جلے گی لیکن منافقین کو روشنی قطعاً نہیں ملے گی انہیں مسلسل تاریکی میں چلنا ہوگا۔بعض مومن لوگ پل صراط پر تیز جائیں گے تو دیگر ٹھہر ٹھہر کر جائیں گے۔القصہ حسب ایمان مختلف احوال ہوں گے۔(تفسیر طبری۔ تفسیر ابن کثیر)

سابقہ آیات کے حوالے سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں: خالص مومن، خالص کافر، منافق، اس کے بھی دو قسم ہیں: نرے منافق جن کی مثال ﴿**مثلهم كمثل الذى استوقد ناراً**﴾ آیت میں آگ سے دی گئی ہے۔چوتھی قسم تذبذب کے شکار منافق، جن کا ایمان کبھی چمکتا ہے اور کبھی بجھتا ہے۔ان کی مثال ﴿**أو كصيب**